ڈاکٹر سلیم اختر بطور اقبال شناس

SALEEM AKHTAR AS IQBAL SCHOLAR

ڈاکٹر آصف علی چٹھہ

اسسٹنٹ پروفیسر اردو، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

Abstract:
Dr Saleem Akhtar is a renowned Urdu critic, linguist, Iqbalist, literary historian, teacher and researcher. His main claim to fame is his famous book namely "Urdu Adab ki Mukhtasir Tareen Tareekh". But work on Iqbal Studies is his main forte. He has written many books on life and work of Allama Muhammad Iqbal. He has especially highlighted the aspects of Iqbal Studies which no other Iqbalist has touched so far. He has offered detailed study of his verse as well as prose work. This article covers Saleem Akhtar's contributions in the field of Iqbal Studies.

Keywords :

سلیم اختر، علامہ اقبال،راولپنڈی، افغانستان، ایران، پاکستان، اقبالیات کے نقوش

ڈاکٹر سلیم اختر پاکستان کے نامور اردو نقاد ،افسانہ نگار، ماہرِ لسانیات، ماہرِ اقبالیات، ادبی مؤرخ، معلم اور محقق ہیں، ۱۱ مارچ۱۹۳۴ء لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ نے میٹرک فیض الاسلام ہائی سکول راولپنڈی سے ۱۹۵۱ء میں کیا۔ایف اے اور بی اے گورنمنٹ کالج اصغر مال راولپنڈی جب کہ ایم اردو اور پی ایچ ڈی کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی لاہور سے حاصل کی۔تعلیم سے فراغت کے بعد شعبہ تعلیم سے وابستہ ہوئے۔اس کے علاوہ مختلف ادبی رسالوں کے ساتھ بھی منسلک رہے۔آپ نے بطور اردو لیکچرار ۱۹۶۲ء پہلی ملازمت گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان میں کی۔ وہاں آٹھ سال رہنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور چلے آئے۔۱۹۹۴ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد گیارہ سال تک جزوقتی پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور میں ہی تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔اس کے علاوہ وہ یونیورسٹی آف ایجوکیشن میں درس وتدریس کی ذمہ داریاں بھی نبھاتے رہے۔ڈاکٹر سلیم اختر کو ان کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف

میں۲۰۰۸ء میں حکومت پاکستان کی طرف سے صدارتی اعزاز برائے حسن کارکردگی سے نوازا گیا۔اُن کا دسمبر ۲۰۱۸ء لاہور میں انتقال ہوا۔(۱)

ڈاکٹر سلیم اختر نے مختلف موضوعات پر ایک سو سے زائد کتابیں لکھیں۔وہ اردو کے ان چند نقادوں میں شامل ہیں جو نقاد ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین تخلیق کار بھی تھے۔"اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ" کے علاوہ ان کے افسانوی مجموعوں میں آدھی رات کی مخلوق،نرگس اور کیکٹس، مٹھی بھر سانپ،کڑوے بادام،کاٹھ کی عورتیں، چالیس منٹ کی عورت اور ضبط کی دیوارشامل ہیں۔ان کی دیگر کتابوں میں اک جہاں سب سے الگ (سفرنامہ)، نشان جگر سوختہ(آپ بیتی)، انشائیہ کی بنیاد، ادب اور کلچر، ادب اور لاشعور، کلام نرم و نازک کے علاوہ نفسیاتی موضوعات پر لکھی گئی کتب جن میں شادی جنس اور جذبات، ہماری جنسی اور جذباتی زندگی، عورت جنس اور جذبات، عورت جنس کے آئینے میں، مرد جنس کے آئینے میں وغیرہ شامل ہیں۔

ڈاکٹرسلیم اختر نے علامہ اقبال کے حوالے سے کئی کتابیں لکھیں جن میں فکر اقبال کا تعارف، اقبال کا نفسیاتی مطالعہ، اقبال: شخصیت افکار تصورات، اقبال کا ادبی نصب العین، فکرِ اقبال کے منور گوشے،اقبال کی فکری میراث، اقبال اور ہمارے فکری رویے، علامہ اقبال: حیات فکرو فن، اقبال ممدوح عالم، اقبال شناسی کے زاویے، ایران میں اقبال شناسی کی روایت، مسلم ممالک میں اقبال شناسی کی روایت، اقبال شعاع صدرنگ، اقبالیات کے نقوش وغیرہ شامل ہیں۔

ڈاکٹر سلیم اختر نے بطور اقبال شناس اقبال کے ان پہلوؤں کو اجاگر کیا جو عام اقبال شناسوں کی نظروں سے اوجھل رہے۔انھوں نے فکرِ اقبال کے نفسیاتی پہلوؤں کو بھی آشکار کیا، اور شرح ارمغان حجاز لکھی۔اقبال کی غزلوں کا تجزیاتی مطالعہ کے علاوہ انھوں نے اقبال کی نثری تخلیقات اور افکار و خیالات کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ بھی کیا۔سال اقبال کی مناسبت سے ڈاکٹر سلیم اختر نے "اقبال ممدوحِ عالم" کے نام سے ایک کتاب مرتب کی جس میں اقبال شناسی کی بین الاقوامی روایت کا سراغ ملتا ہے۔ اس کتاب میں مشرق ومغرب کے اقبال شناسوں کے مقالے جمع کیے گئے ہیں۔اس کتاب کی ترتیب کے دوران انھیں فرانسیسی خاتون ادیبہ لوس کلوڈ کی کتاب پڑھنے کا موقع ملا جوانھیں اتنی اچھی لگی کہ "فکر اقبال کا تعارف" کے نام سے اس کا اردو میں ترجمہ کردیا۔

ڈاکٹر اختر نے بین الاقوامی سطح پر اقبالیات پر ایران اور دیگر مسلم ممالک میں ہونے والے کام پر بھی دو کتابیں لکھیں۔بیسویں صدی کا آغاز اقبال کی شاعری سے ہوتا ہے۔اقبال کی زندگی ہی میں اردو نقادوں اور دانشوروں نے ان کے افکار وتصورات پر بحث شروع کر دی تھی۔اس ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر کہتے ہیں:

> ''اقبال بیسویں صدی کے شعری افق پر چھایا ہوا ایسا آسمان ہے جو افکار وتصورات کی کئی منور کہکشائیں اپنے شاعرانہ تخیل کے محیطِ بے کراں میں سمیٹے ہوئے ہے۔اقبال، اردو شاعری کی تاریخ کا وہ روشن مینار ہے جس سے کسب ضیاء کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔مسلم فلسفہ کی تاریخ میں، اقبال نہ صرف ممتاز ومنفرد ہیں بلکہ ان کے افکار نے مسلم دنیا (بالخصوص ایران) کے فکری رویوں اورسیاسی نصب العین کو تغیر آشنا کیا''۔(۲)

ڈاکٹر اختر نے کتاب 'اقبالیات کے نقوش' ۱۹۷۷ء میں مرتب کی جس میں دنیاکے ماہرین اقبالیات کے علامہ اقبال پر لکھے مقالوں کا ایک خوبصورت انتخاب شامل کیا۔یہ مقالے اقبال کے فکرو فن پر ایک سیر حاصل بحث سے عبارت ہیں۔مذکورہ کتاب میں انھوں نے ڈاکٹر یوسف حسن خان، ڈاکٹر سید عبداللہ، صوفی غلام مصطفی تبسم، جگن ناتھ آزاداور ملک عبدالقیوم جیسے نامور انیتس محققین کے اقبال کے تصورِ حیات، سیاسیات، فلسفہ اور نظریۂ شاعری ، اقبال پر اعتراضات اور ان کے جوابات کے علاوہ مختلف موضوعات پر لکھے گئے مقالات پیش کیے ہیں۔ڈاکٹر سلیم اختراپنی کتاب 'اقبال کی فکر میراث' میں اقبال کی فکری میراث کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''جہاں تک اقبال کی فکری میراث کا تعلق ہے توہ وہ وسیع بھی ہے اور تنوع بھی، وہ بسیط بھی ہے اور عمیق بھی، اقبال میں اگرچہ مشرق ومغرب کے فلسفوں اور جدید علوم کی بوقلمونیوں کا امتزاج ملتا ہے مگر اساس ان کی اسلام اور قرآن مجید پر استوار ہے اور اسی سے علامہ متنوع نظریات میں فکری توازن پیدا کرنے میں کامیاب رہے۔'' (۴)

اقبال مصلح قوم تھے اور ایسے معلم تھے جنھوں نے انسانیت سے خطاب کے لیے شاعری کو اپنایا، چوں کہ وہ ایک مقصد پسند شاعر تھے اس لیے ادب یا اظہار کے بارے میں اقبال کے اپنے مخصوص نظریات کا ہونا لازم ہے۔اقبال نے نظریۂ خودی کی روشنی میں ادب وفن کی تشکیل نو پر زور دیتے ہوئے مختلف مواقع پر اشعار کے ذریعے اپنے نظریۂ ادب کی تشریح وتوضیح بھی کی ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر اقبال کے بعض تصورات مثلاً عشق ، وجدان، عقل، اسلام، تعلیم، ادب، فنون لطیفہ، مرد مومن، سیاست اور عورت وغیرہ کے متنوع گوشوں کا خصوصی تجزیہ پیش کیا ہے۔ تاہم ان کے مطابق ان سب تصورات کی تفہیم وتشریح اور قدروا ہمیت کے تعین میں اقبال کے تصور خودی کو مرکزی قرار دیا ہے۔چناں چہ اس حوالے سے وہ کہتے ہیں:

> ”افکارِ اقبال کے پیچیدہ نظام میں خودی کی مرکزی حیثیت کو نظام شمسی کی مثال سے واضح کیاجاسکتاہے۔ جس طرح اپنی تمام تر تابانیوں اور حیات بخش حرارت کے ساتھ سورج مرکز میں ہے اور تمام سیارے اپنے اپنے مدار پر آزاد گردش کے باوجود بھی سورج کے تابع ہیں، اسی طرح فکر اقبال کے آسمان میں خودی کی مرکزی حیثیت ہے۔جب کہ دیگر تصورات عشق، وجدان، مرد مومن وغیرہ انفرادی حیثیت میں توانا تصورات ہونے کے باوجود بھی خودی پر استوار ہیں کہ خودی کے سورج کے سیارے ہیں اور اسی سے کسبِ نور کرتے ہیں لہذا اقبال کی فکری میراث خودی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہوسکتی۔"(۵)

ڈاکٹر اختر کے نزدیک اقبال ادب کو ایک حرکی عمل سمجھتے ہیں، ایسا عمل جو بے عمل قوم میں حیات آمیز رُوح پیدا کرسکے ، اگر ایسا نہیں تواقبال کے نزدیک ایسا ادب بے کار اور بے سود ہے۔ڈاکٹر اختر کے مطابق عالمگیر سطح پر اقبال شناسی کی بنیادی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ اقبال کا پیغام اگرچہ ہندوستان کے غلام مسلمانوں کے لیے تھا، لیکن وہ فکر ونظر اور عمل واجتہاد کے ایسے تصورات پر مشتمل تھا کہ زبان، تہذیب، تمدن اور سیاسی تصورات کے اختلاف کے باوجود عالمی سطح پر نہ صرف انھیں قبول کیا جاسکتا ہے بلکہ ان سے استفادہ بھی ممکن ہے۔اگر ایسا نہ ہوتا تو اقبال آج پاکستان کا یا زیادہ سے زیادہ عالم اسلام کا شاعر ہوتا ، لہذا ڈاکٹر سلیم اختر کے مطابق اقبال کی فکری میراث کو محض اپنی جغرافیائی حدود، اپنی تہذیب اور ثقافت تک محدود نہ رکھتے ہوئے عالمی تناظر میں اس کا مطالعہ کیا جانا چاہیے۔وہ مغرب میں اسلام کے متعلق شکوک وشبہات اور فکراقبال کے متعلق لکھتے ہیں:

> ”آج جبکہ مغرب میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں سیاسی وجوہ کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کی کانٹوں بھری فصل تیار ہوچکی ہے۔۔۔ ایسے میں علامہ اقبال کے افکار سے بطور خاص مدد لی جاسکتی ہے اور فکر اقبال کی روشنی میں مغرب کو یہ باور کرایا جاسکتا ہے کہ جب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں تو ملا کا جمادات والا اسلام نہیں، بلکہ قوت وعمل کی

طرف راغب کرنے والا اقبال کا حرکی اسلام ہے۔جب ہم اسلامی مملکت کی بات کرتے ہیں تو وہ جبرواستبداد پر مبنی آمریت نہیں ہوتی بلکہ اقبال کے الفاظ میں ”روحانی جمہوریت“ ہوتی ہے۔جب ہم مرد مومن کی بات کرتے ہیں تو وہ نطشے کا فوق البشر نہیں ہوتا بلکہ اقبال کا پیکر جلال وجمال ہوتا ہے۔“(۶)

بطور اقبال شناس ڈاکٹر سلیم ملک کے پچھلے چند عشروں میں آمریت میں گزرے وقت کو ناپسندیدگی سے دیکھتے ہیں۔ان کا عمومی رویہ حالات کو کلامِ اقبال کی روشنی میں دیکھ کر اپنا راستہ استوار کرنے کا ہے۔ اس لیے وہ جہاں آمریت کوناپسند کرتے دکھائی دیتے ہیں وہیں وہ موجودہ سیاسی بندوبست جسے جمہوریت کانام دیا جاتا ہے کو بھی مثالی نہیں سمجھتے ہیں۔”موجودہ سیاسی بحران اور اقبال“ میں اسی فکر کی بازگشت سنائی دیتی ہے:

”یہ ایک تلخ حقیقت ہے اور قومی زندگی کا المیہ ہے کہ پاکستان میں جمہوریت بطور ایک مثالی تصور عنقا رہی ہے اور یہ جو عسکریت کے طویل وقفوں کے بعد جمہوریت حباب آسا ابھرتی بھی ہے تو اسے مثالی نہیں قرار دیا جاسکتا ۔۔۔لیکن جمہوریت میں جب سیاست دانوں کا جمعہ بازار لگتا ہے تو ____ مرکے بھی چین نہ پایا توکدھر جائیں گے؟ والی حالت ہوجاتی ہے۔یوں آمریت کے ساتھ ساتھ سلطانی جمہور کے زمانہ میں بھی علامہ اقبال کے نفی جمہوریت والے اشعار کا چرچا رہتا ہے۔“(۷)

سلیم اختر نے جمہوریت کی خوبیوں اور خامیوں ،دونوں کا محاکمہ کرتے ہوئے اقبال کے اُردو کے علاوہ فارسی کلام کا مطالعہ بھی موقع بہ موقع پیش کیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اقبال# کی مغرب کے جمہوری نظام کی خامیوں پر نکتہ چینی کے معنی سرے سے جمہوریت کی مخالفت کے نہیں لینے چاہئیں، کیوں کہ وہ نہ صرف سلطانی جمہور کا خیر مقدم کرتے ہیں بل کہ مزدور کو یہ بشارت بھی دیتے ہیں کہ مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے۔جمہوری اِداروں خصوصاً موجودہ پارلیمانی نظام سے اقبال کی مایوسی، مغرب کے علاوہ ہندوستان کے مخصوص حالات کی روشنی میں ہے کیوں کہ جمہوری اِداروں کا کوئی بیرونی ڈھانچہ ہندوستان میں کام نہیں دے سکتا۔ ہندوستانی جمہوریت کو اپنے مخصوص حالات کے مطابق جمہوری اِداروں کی تشکیل کرنی چاہیے تاکہ وہ اکثریت اور اقلیت دونوں کی اِصلاح اور فلاح کے ضامن ہوں یہ کام آسان نہ سہی مگر کرنے کا ہے اور کیا جا سکتا ہے۔

سلیم اختر اقبال کو جمہوریت کے عملی روپ سے بیزار سمجھتے ہیں ناکہ اس کے مثالی تصور کے مخالف۔ چناں چہ وہ اقبال کا مقالہ بعنوان "اسلام بحیثیت ایک اخلاقی اور سیاسی نصب العین" کو اپنے مؤقف کے دفاع میں پیش کرتے ہیں۔ڈاکٹر سلیم اختر فکر اقبال کو قرآن مجید کی اساس قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "فکر اقبال کی اساس قرآن مجید پر استوار ہے۔ علامہ اقبال نے برملا اس حقیقت کا اعتراف کیا تھا اس لیے ہمیں اس ضمن میں مدافعانہ یامعذرت خواہانہ طرز عمل اپنانے کی ضرورت نہیں۔بحیثیت مسلمان ہمارا یہ ایمان ہے کہ قرآن مجید قیامت تک چراغ ہدایت اور دنیا کے لیے باعث فلاح ہے تو پھر فکر اقبال کی اسلامی اساس کے بارے میں بھی ذہن میں جوالجھن ہے وہ ختم ہوجانی چاہیے۔"(۸)

سلیم اختر نے اقبال کی غزلیہ شاعری کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ایک جنس کا جسمانی تصور اور دوسرا لاجنس عشق۔وہ ابتدا میں مختلف شعرا کی غزلوں کو زیر بحث لاتے ہیں اورپھر اقبال کی غزلوں کی طرف آتے ہیں۔تاریخ وار غزلوں کے بعد اس نتیجے پر پہنچے:

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے(۹)

اقبال کی تمام شاعرانہ جدوجہد در اصل اسی ٹوٹے ہوئے تارے کو مہ کامل بنانے کے لیے تھی اور ان کی غزل اس مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ۔"اقبال کی نثر کا مزاج" بھی ڈاکٹر سلیم اختر کا ایک سنجیدہ موضوع ہے۔ انھوں نے اقبال کی نثری تخلیقات، افکار وخیالات کا ایک تجزیاتی اور ٹھوس مطالعہ پیش کیا۔انھوں نے اپنی گفتگو کا آغاز اقبال کی پہلی نثری تصنیف 'علم الاقتصاد' سے کیا ہے جسے خود علامہ نے اپنی علمی کوششوں کا پہلا ثمر قرار دیا ہے۔وہ اقبال کی نثر کو سرسید کی نثر سے ہم آہنگ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "مجھے تو اقبال کی نثر سرسید سے ہم آہنگ دکھائی دیتی ہے۔میرے خیال میں اقبال کی نثر کے اساسی اوصاف میں اس کا منطقی رنگ غیر ضروری طوالت سے احتراز کرتے ہوئے مواد کی مدلل پیش کش، عالمانہ متانت کی خشکی وغیرہ کو بطور خاص گنا جاسکتا ہے اور یہی تمام اوصاف سرسید کی نثر میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ البتہ سرسید کے برعکس اقبال کو انگریزی الفاظ کے استعمال کا شوق نہیں "۔(۱۰)

ایران، تہذیب وتمدن اور زبان کے لحاظ سے ہندوستانی اور پاکستانی تہذیب وتمدن سے بالکل مختلف ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہندوستان اور پاکستان پر اس ملک کے تہذیبی اثرات گہرے ہیں۔کلامِ اقبال کے اثرات ایرانی تہذیب وتمدن پر بھی اثرانداز ہوئے ہیں۔اس بات میں بھی دورائے نہیں ہے کہ اقبال کے فارسی کلام کو ایران میں خوب پذیرائی ملی ہے۔ڈاکٹر اختر لکھتے ہیں:

”ایرانی اقبال شناسوں نے علامہ پر باضابطہ کتابیں قلمبند کیں۔ان کے افکارواشعار قلمبند کئے جن میں سے کئی مقالات کے تراجم کئے ہیں علامہ کے نظام فکر کے اساسی تصورات کی تفہیم کی سعی میں لاتعداد مقالات کے اردو تراجم بھی ہوچکے ہیں۔جن کے نتیجہ میں اردوداں طبقہ بھی ایرانی اقبال شناسوں کی تحریروں سے آشنا ہوچکا ہے۔“(۱۱)

موجودہ دور میں اقبال، ایران میں اسی طرح مقبول ہیں جس طرح سعدی، حافظ اور مولانا روم۔لیکن اگر تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو اقبال نے افغانستان میں ایران سے پہلے پذیرائی حاصل کر لی تھی، کیوں کہ ایران نے افغانستان کے ذریعے علامہ کی شخصیت اور فکروفن سے تعارف حاصل کیا۔ڈاکٹر سلیم اختر کے مطابق:

”ایران کے مقابلے میں افغانستان میں علامہ اقبال کی مقبولیت کی وجہ جغرافیائی قربت کے علاوہ علامہ اقبال کا دورہ افغانستان بھی ہوسکتا ہے۔۱۹۳۲ء میں حکومت افغانستان کی دعوت پر علامہ اقبال، سید سلیمان ندوی اور سر راس مسعود کابل گئے تاکہ افغانستان میں جدید تعلیم اور درس گاہوں کے قیام کے بارے میں حکومت کو مفید مشورے دے سکیں، . . . افغانستان میں جو چند علمی وادبی مجلات تھے (جن میں ’کابل‘ سرفہرست ہے) ان میں علامہ کا کلام چھپتا رہا۔اس ضمن میں دل چسپ بات یہ ہے کہ کافی عرصے تک اہل ایران علامہ کو افغانستان کا شاعر سمجھتے رہے“۔(۱۲)

ڈاکٹر سلیم اختر کا کہنا ہے کہ اگر اقبال کی شاعری کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو اس کے دواہم پہلو سامنے آتے ہیں، ان پہلوؤں کو انھی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے :

”علامہ اقبال کے کلام کا مطالعہ کرنے پر دوامور بطور خاص اجاگر ہوتے ہیں ایک توایران اوراہل ایران سے علامہ کی گہری محبت دوسرے زبان واظہار کے بارے میں عجز کا اظہار۔“(۱۳)

الغرض سلیم اختر کا اقبالیاتی سرمایہ بہت وسیع ہے۔اقبال کے عقیدت مند ہمیشہ ان کے احسان مند رہیں گے۔انھیں اقبال کی تقریباً تمام تصانیف نظم و نثر پر دسترس حاصل تھی۔ان کا یہ کام نئی نسل کے اقبال شناسوں کے لیے مشعلِ راہ ہے اور بلاشک و شبہ ان کی اس کاوش کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

حوالہ جات وحواشی:

(۱) جلیل اشرف (ڈاکٹر)، ڈاکٹر سلیم اختر: بحیثیت نقاد، لاہور: ٹی اینڈ ٹی پبلشرز، ۱۹۹۹ء، ص ۱۸۔۳۰

(۲) سلیم اختر (ڈاکٹر)، علامہ اقبال ، حیات -فکروفن، لاہور: سنگ میل پبلشرز، ۲۰۰۳ء، ص۱۱

(۳) سلیم اختر (ڈاکٹر)، اقبال کی فکری میراث،لاہور: بزمِ اقبال ،کلب روڈ، ۱۹۹۶ء، ص ۷

(۴) االیضاً ، ص۸

(۵) ایضاً ، ص۹

(۶) ایضاً ، ص۶۵

(۷) سلیم اختر (ڈاکٹر)، اقبال کی فکری میراث، ص۱۲۹

(۸) محمد اقبال(علامہ)، کلیات اقبال (اردو)، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۰ء بالِ جبریل ، غزل ۶، ص۵۳۰

(۹) سلیم اختر (ڈاکٹر)، اقبال کانفسیاتی مطالعہ،لاہور :سنگ میل پبلشرز، ۲۰۰۸ء، ص ۲۲۳۔۲۲۴

(۱۰) ممتاز احمد، اقبال۔ایران میں، مضمون مشمولہ ایران میں اقبال شناسی کی روایت ، لاہور: سنگ میل پبلشرز، ص۱۱۴۔

(۱۱) سلیم اختر (ڈاکٹر)، علامہ اقبال حیات-فکرو فن، ص۸۴۰

(۱۲) ممتاز احمد ، اقبال۔ایران میں، ص۱۱۴ ، جلیل اشرف (ڈاکٹر)، ڈاکٹر سلیم اختر: بحیثیت نقاد، ص۱۵۴